Al-Behishat Research Archive
ISSN Online: 3006-5224
ISSN Print: 3006-5216

Publisher: Al-Behishat Education & Research Institute
Journal Frequency: **BI**-Annual

THE UNIQUE CHARACTER OF "WAZIR KHANUM" FROM "KAI CHAND THAY SAR-E-ASMAAN"

"کئی چاند تھے سرِ آسماں" کا منفرد کردار "وزیر خانم"

Dr. Sadia Khalil
Assistant Professor, Urdu Department , Jinnah College for Women University of Peshawar
Dr. Parveen Kallu
Associate Professor Urdu Department , Government College University Faisalabad
Ghazala Kishwer
Lecturer Lecturer Urdu Department Thal University Bhakkar
Dr. Muhammad Rahman
Assistant Professor Urdu Department Hazara University Mansehra .Corresponding Author: drmrehman75@gmail.com

Al-Behishat Research Archive
https://al-behishat.rjmss.com/index.php/20/about

Abstrcat

Shamsur Rehman Farooqi, the author of "Kai Chand Thay Sar Asmaan", is a landmark figure in the Urdu world whose work, academic achievements and creative distinctions have been recognized at all levels. After a long time, a novel has come out in Urdu that has created a stir in the literary atmosphere of India and Pakistan. Can it be compared to the stir that "Umrao Jan Ada" created in its time? And this novel is written by a person whom we know first and foremost as a critic and researcher. Shamsur Rehman Farooqi has revealed himself as a novelist and researcher here is giving full support to the novelist Farooqi. It is generally said that research, criticism and creation do not go hand in hand. But the novel under consideration should be considered an exception to what has been seen as a general rule. Here we see history creatively molded into fiction, so "Kai Chand Thay Sar Asmaan" is a novel of a different kind. We can call it a document of the last years of the Mughal Empire, which was about to collapse. Shamsur-ur-Rehman Farooqui has complete mastery over details. He has presented the life of Wazir Khanum with such delicacy, delicacy and all the fine details that we get a complete picture of an entire civilization, which we can call the Indo-Muslim civilization, and its full brilliance and prosperity in its last days.... And what a role the role of Wazir Khanum is that she alone seems to be the embodiment of this civilization in her own right.

Key Words: Shamsur Rehman Farooqi, "Kai Chand Thay Sar Asmaan", "Wazir Khanum", "Umrao Jan Ada", Mughal Empire, embodiment, civilization.

شمس الرحمان فاروقی ادب کے نامور فکشن نگار ہیں۔ انھوں نے کئی ایک تخلیقات سے ادب کو ثروت مند بنایا ہے۔ ان کا ناول "کئی چاند تھے سرِ آسمان" اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ ناول کا نام احمد مشتاق کے اس شعر سے ماخوذ ہے:

کئی چاند تھے سر آسماں کہ چمک چمک کے پلٹ گئے
نہ لہو مرے ہی جگر میں تھا نہ تمہاری زلف سیاہ تھی (۱)

یہ ناول ایک مخصوص تہذیبی پس منظر کے تناظر میں لکھا گیا ہے۔ اس کے نمایاں کرداروں میں بڑی بیگم (نوری بیگم)، منجھلی بیگم (عمدہ خانم)، چھوٹی بیگم (وزیر خانم) مخصوص اللہ (بیوی سلیمہ)، محمد یحییٰ بڈگامی، محمد یعقوب بڈگامی، محمد داؤد بڈگامی، نواب

مرزا خان داغ، صوفیہ اور مارٹن، مارسٹن بلیک اور خورشید مرزا (فتح الملک مرزا فخرو) شامل ہیں۔ علاوہ ازیں کئی ایک ضمنی کردار بھی ہیں جو جابجا اپنا رنگ دکھاتے ہیں۔

"کئی چاند تھے سرِ آسمان" میں دراصل بیسوی صدی کے مخصوص ہندوستان کی تصویر کشی کی گئی ہے جب ایک طرف مشرقی (ہندوستانی تہذیب) اور دوسری جانب مغربی تہذیب ایک دوسرے سے مل رہی تھیں۔ اسی تناظر میں یہ ناول لکھا گیا ہے۔ اگرچہ اس کو متنازع بنانے کے لیے شمس الرحمٰن فاروقی کے مخالفین نے اسے ایک تاریخی ناول بنانے کی کوشش کی ہے لیکن وہ خود اس بات سے متفق نہیں ہیں۔ وہ خود کہتے ہیں:

> "میں یہ بات واضح کردوں کہ اگرچہ میں نے اس کتاب میں مندرج تمام اہم تاریخی واقعات کی صحت کا حتی الامکاں مکمل اہتمام کیا ہے لیکن یہ تاریخی ناول نہیں ہے۔ اسے اٹھارویں، انیسویں صدی کی ہند اسلامی تہذیب اور انسانی اور تہذیبی ادبی سردکاروں کا مرقع سمجھ کر پڑھا جائے تو بہتر ہوگا۔ (۲)"

اس حوالے سے دیکھا جائے تو شمس الرحمان فاروقی کی یہ بات سو فی صد درست ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ناول اسی عرصے کا تہذیبی ورثہ ہے۔ دوسرا یہ کہ اس ناول نے ان دو تہذیبوں کا جس طرح سے ادغام پیش کیا ہے وہ قابلِ تحسین ہے۔ فاروقی صاحب نے اپنی زندگی کا اہم اور بیش قیمت حصہ اسی ناول کی بنت میں پیش کیا ہے اور یوں ہمارے سامنے ایک شاہ کار پیش کیا ہے۔

"کئی چاند تھے سرِ آسمان" میں ہندوستانی معاشرے کی جزئیات نگاری کا پورا پورا اہتمام کیا گیا ہے۔ اس ناول کی ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ نوآبادیاتی تہذیب کے تحت غیر ملکی حکمران اپنا تہذیبی سرمایہ ہندوستانیوں پر مسلط کرنا چاہتے تھے۔

اگر تاریخی حوالے سے دیکھا جائے تو یہ ناول انیسویں صدی سے بہت پہلے سے شروع ہو کر ۱۸۵۷ء میں ختم ہو جاتا ہے، لیکن اسی دوران معاشرتی انضمام کے تمام عوامل سے گزرتا ہوا ایک خاص نقطے پر رک جاتا ہے۔ جہاں ہمارے نہاں خانوں میں ایک نئی دنیا روشن کرتا چلا جاتا ہے۔ اس ناول کی یہی تو خاص خوبی ہے کہ جو اسے دیگر ناولوں سے منفرد بناتی ہے۔

ناول کے ابتدائی کرداروں میں ہماری ملاقات میاں مخصوص اللہ سے ہو جاتی ہے۔ اس کردار کے بارے میں شمس الرحمٰن فاروقی یوں رقم طراز ہیں:

> "یہ لوگ کشمیر میں مدت سے رہ رہے تھے، لیکن درحقیقت داؤد بڈگامی اور یعقوب بڈگامی اصلاً یہاں (کشن گڑھ) کے نہ تھے اور ان کے دادا کا نام مخصوص اللہ میاں مرقع نگار تھا۔ یہ میاں حضرت فردوس قرار، اعلیٰ حضرت حضرت شہنشاہ عالم و عالمیان، اقبال نشان، سعادت گیہان، محمد روشن اختر شاہ بہادر غازی فردوس

آرام گاہ کے عہد مبارک و باسعادت و جنت سند کے زمانے سے گڑھ راج کے
ایک چھوٹے سے گاؤں ہندالولی کا پروا میں آباد تھے۔(۳)"

بقول ناول نگار میاں مخصوص اللہ ابتدا میں غالباً غیر مسلم تھے۔ان کا آبائی نام کچھ اور تھا۔ان کا طور طریقہ کچھ اور تھا اور دنیا سے الگ تھلگ رہن سہن تھا۔نہ انھیں کھانے پینے کی کوئی فکر تھی اور نہ رہن سہن کی۔یہی وجہ ہے کہ دنیا سے الگ تھلگ رہنے کی وجہ سے وہ اپنی عمر سے کچھ زیادہ کے ہی لگتے تھے۔ چوں کہ سارے گاؤں کی آبادی سو دو سو نفر تھی اس لیے سارے لوگ انھیں "میاں" یا" بابا" کہتے رہتے۔چوں کہ وہ مرقع نگار تھے یعنی تصویر بنانے کے ماہر تھے اس لیے ان کے اس پیشے کے بارے میں ناول نگار یوں لکھتے ہیں:

"مخصوص اللہ (یا جو بھی نام اس ان کا اس زمانے میں رہا ہو، سب سے اچھا یہی ہے کہ ان کو "میاں" کہا جائے) کے یہاں جانور، اور شکار، اور مناظر کارزار کی تصویریں نہیں بنتی تھیں۔ لیکن ان کی کئی تصویروں میں کسی پرانے، بلند، یا شکستہ اور ویران لگنے والی مینار کے پس منظر کے ساتھ کسی نوجوان لڑکی کو ایک ٹوٹے ہوئے، بھورے کا کائی زدہ پتھر یا ہری بھری پست چٹان پر اس طرح بیٹھا ہوا دکھایا جاتا تھا گویا کوئی شخص ابھی ابھی اس کے سامنے تھا اور وہ اس سامنے والے شخص کو دیکھ رہی تھی، لیکن اچانک اس کی توجہ بائیں طرف کو منعطف ہو گئی اور اب اس کی نیم رخ ہی صورت تصویر کو دیکھنے والے کے سامنے ہے۔(۴)"

"کئی چاند تھے سرِ آسمان" کا آغاز ہی اس کردار سے ہوتا ہے اور بعد میں جا بجا یہی کردار نظر آتا ہے۔ناول کے شروع میں مارسٹن بلیک اور زویر خانم کی ملاقات ہو جاتی ہے۔ وزیر خانم اپنے باپ یوسف کے ساتھ عرس سے واپس آتے ہوئے گرد و غبار میں اپنے قافلے سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہے۔یوں اس کی ملاقات مارسٹن بلیک سے ہو کر آگے بڑھتی ہے۔ مخصوص اللہ وزیر خانم کا جدامجد ہے۔ مخصوص اللہ کے کردار کا خلاصہ یہ ہے کہ اس نے بادشاہ کے استقبال کے لیے اپنے گھر کے باہر ایک تصویر آویزاں کر رکھی تھی جو شومئ قسمت سے بادشاہ کی بیٹی کے ساتھ مشابہت رکھتی تھی۔ اگرچہ یہ ایک خیالی تصویر تھی۔ جب بادشاہ کو پتہ چلا تو اس نے اپنی بیٹی کو قتل کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مخصوص اللہ کو ترکِ وطن کرنا پڑا اور یوں وہ کشمیر جا کر پناہ لینے پر مجبور ہوا۔ وہاں جا کر اس نے قالین بانی سیکھی اور اسی ہنر میں یکتا کہلایا۔اس کا بیٹا یحییٰ بھی اسی کاروبار میں مصروف ہو گیا۔یحییٰ کے دو بیٹے یعقوب اور داؤد تھے۔ان دونوں بھائیوں کے دو ہی شوق تھے، ایک تجارت اور دوسرا موسیقی۔یعقوب کی شادی ہو گئی اور اس کا بیٹا یوسف کہلایا۔بد قسمتی یہ ہوئی کہ یوسف اور داؤد انگریزی فوج میں بھرتی ہو کر مرہٹوں کے ساتھ لڑائی میں مارے گئے۔یوسف کی پرورش ایک طوائف نے کی۔بعد میں یوسف کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کرائی۔یہی یوسف وزیر خانم کے باپ تھے۔یوسف کی تین ہی بیٹیاں تھیں۔انور خانم عرف بڑی بیگم، عمدہ خانم عرف منجھلی بیگم اور وزیر خانم عرف چھوٹی بیگم۔اس کردار کا تعارف شمس الرحمان فاروقی نے یوں کیا ہے:

"وزیر خانم عرف چھوٹی بیگم (پیدائش غالباً ۱۸۱۱ء) محمد یوسف سادہ کار کی تیسری اور سب سے چھوٹی بیٹی تھیں۔ ان کی پیدائش دہلی میں ہوئی۔ لیکن محمد یوسف سادہ کار دہلوی الاصل نہ تھے، کشمیری تھے۔ یہ لوگ دہلی کب اور کیوں کر پہنچے، اور دہلی میں ان پر کیا گزری، یہ داستان لمبی ہے۔ اس کی تفصیلات پہلے بھی کچھ واضح نہ تھیں اور اب تو تمادی ایام کے باعث اور کچھ دوسری مصلحتوں کے باعث شاید بھلادی گئی ہیں۔(۵)"

وزیر خانم کے نواب شمس الدین احمد خان سے تعلقات کے بارے میں ناول نگار یوں گویا ہیں:

"وزیر خانم ۱۲۴۵ھ/۱۲۴۶ھ مطابق ۱۸۲۹ء/۱۸۳۰ء میں نواب شمس الدین احمد خان، والئی جھروکہ لوہارو سے منسلک تھیں۔ لیکن اسی سے پہلے وہ مسٹر ایڈورڈ مارسٹن بلیک صاحب *Edward Marston Black* کے ساتھ رہ چکی تھیں۔ اس زمانے میں وہ مارسٹن بلیک کے دو انگریز بچوں، یعنی ایک بیٹے مارٹن *(Martin Black)* عرف امیر مرزا، اور ایک لڑکی صوفیہ *(Sophia)* عرف مسیح جان عرف بادشاہ بیگم کی ماں بنیں۔(۶)"

اس دوران مارسٹن بلیک صاحب قتل کیے گئے تو وزیر خانم کا نواب شمس الدین احمد خان لوہارو سے تعلق استوار ہو گیا۔ ان سے ان کا ایک بیٹا نواب مرزا داغ دہلوی پیدا ہوا۔ لیکن یہاں بھی قسمت نے ساتھ نہ دیا اور نواب کو فریزر کے قتل میں پھانسی کی سزا ہوئی۔ یوں وزیر خانم ایک بار پھر حالات کے رحم و کرم پر رہ گئیں۔ بعد میں ان کا نکاح منجھلی بیگم کے دیور آغا نواب علی سے ہوا۔ ان سے ان کی ایک ہی اولاد مرزا تراب علی کی پیدائش ہوئی تھی کہ ایک بار سفر کے دوران وہ ٹھگوں کے ہاتھوں قتل ہو گئے۔ اس طرح وزیر خانم (چھوٹی بیگم) بہادر شاہ ظفر کے ولی عہد مرزا فتح الملک عرف مرزا فخرو کے عقد میں آ گئیں۔ اس طرح ان کو شاہی محل میں آنے کے بعد شوکت محل کا خطاب ملا۔ مرزا فخرو کے انتقال کے بعد چھوٹی بیگم کو محل سے بے دخل کیا گیا۔ چھوٹی بیگم بھرپور تہذیبی شخصیت کی حامل ہیں۔ وہ ایک ایسے دور میں زندہ تھیں جہاں سے دونوں قوموں کے تہذیبی روایت کو سمجھا جا سکتا ہے اور اس طرح اس زوال آمادہ تہذیب کو سمجھا جا سکتا ہے۔ یہ تہذیب انگریزوں کی پیش رفت کو دیکھتی ہے لیکن حقائق سے منہ چھپانے کی کوشش میں خود کو عیش و عشرت میں غرق کر لیتی ہے۔ ناول کا تہذیبی اعتبار سے تجزیہ ثابت کرتا ہے کہ ہند اسلامی تہذیب، ہند یورپی تہذیب میں ضم ہو رہی ہے۔ ناول میں واقعات کی طوالت بھی ناگوار نہیں گزرتی۔ یہی وجہ ہے کہ وزیر خانم کے حوالے سے مکمل جزئیات ملتی ہیں۔ اس حوالے سے ناول سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"دوپٹہ اس کے سر پر ایک عجیب انداز بے پروائی سے پڑا ہوا تھا کہ اس کے نیچے سے اس کی زلفوں، چوٹی اور موباف میں پروئے ہوئے موتی صاف نمایاں تھے۔ ماتھے پر جڑاؤ چاند جس میں لہسنا، گلانی یاقوت، موتی اور نیلم جڑے ہوئے تھے۔ بہت

بڑی بڑی متبسم سخن گو آنکھوں میں کاجل کی ہلکی لکیر، کانوں میں لمبے لمبے آویزے جن میں ہیرے اور نیلم جگمگا رہے تھے۔ ناک میں موتی اور زمرد جڑی ہوئی بھاری کیل، گلے میں سرخ یاقوت کا جگنو، اس کے نیچے سچے موتیوں کا ست لڑاہار۔ کلائیوں میں بھرواں گھڑیالی کڑے اور ان کے دونوں طرف کانچ کی مہین چوڑیاں جن پر سنہرا کام تھا۔ پاؤں میں پازیب اور زری کی جوتیاں جن میں دیوار نہ تھی اور اوپری حصہ اتنا مختصر تھا کہ پاؤں کی نگار صاف جھلکتی تھی۔(۷)"

ایک اور جگہ اس کے جسم کے البیلے نقوش کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"سونے کے کام سے دمکتا ہوا آسمانی دوپٹہ، انگیا کا دودھیا رنگ اور کرتی کا سفید رنگ، اور اس پر وزیر کا کھلتا ہو سلونا سانولا چہرہ، کمر کی سیاہ آنکھیں۔۔۔انگیا اور کرتی کے گول گریبان سے اٹھتی ہوئی سڈول گردن، رنگوں کا ایسا دل کو پھلانگتا اور آنکھوں میں کھبتا ہوا امتزاج یوسف علی خان جیسے تجربہ کار حسن شناس کو بھی سناٹے میں ڈال دیا۔(۸)"

چھوٹی بیگم ہمیشہ زندگی کے اتار چڑھاؤ کا شکار رہی۔ وہ اگرچہ شوخ اور حساس طبیعت کی مالک تھیں۔ بچپن کے عیش و عشرت اور صحبت سے اس کے مزاج میں جو پرلگے وہ گل کھلاتے رہے۔ اس کے والد بھی اس سے ہمیشہ عاجز رہے۔ بعد میں اس کا جو انجام ہوتا ہے اس سے قاری کو ہمدردی محسوس ہوتی ہے۔ وہ حالات کی چکی میں پستی رہی مگر حوصلہ مند ہے۔ اس کی یہی حوصلہ مندی اسے مر مر کر جینے کا ہنر سکھاتی ہے۔ یہی وہ کردار ہے جس نے ناول میں روح پھونک دی ہے۔ "کئی چاند تھے سرِ آسمان" کا یہی وہ چاند ہے جس کی ضیا پاشی سے ذہن و دل منور ہو جاتے ہیں۔ اس کی شوخی، نادانی، معصومیت، الڑھ پن، ضدی پن، ناز و ادا، کشش حسن، عیش و عشرت کی سلک، ذہنی کش مکش، کم پختہ تجربات، وفاداری، مزاج کی نفاست، خوش طبعی، وطن پرستی، مشرقی تہذیب کی پاس داری، مغربی تہذیب سے بے زاری، ستھرا ذوق، حسن التفات، حسن اختلاط، حسن گفتار، لہجے کی متانت، شگفتگی، سلیقہ مندی، آرائش جمال، ممتا، بے چارگی اور زخم خوردگی سے اس کی شخصیت عبارت ہے۔ شعر و سخن سے گہری دل چسپی، شعرا کی مداحی اور دورانِ گفتگو اشعار کی برجستگی سے اس کے عمدہ ذوق کا علم ہوتا ہے۔ اردو و فارسی شعرا کے اشعار اسے کثرت سے یاد ہیں۔ وہ آدابِ محفل کے قرینوں سے باخبر ہے۔ ہند اسلوبی تہذیب کی خاص شائق ہے۔ مرد ذات پر حکومت کرنے کا فن خوب جانتی ہے۔ نرم و نازک اتنی کہ حسن نازک شرمندہ ہو کر رہ جائے۔ وہ ہمہ وقت محتاط رہنے کے فن سے واقف ہے۔ نوکروں سے بھی مہذب طرزِ کلام کرتی ہے۔ جس سے محبت ہو اس کے لیے بچھ جاتی ہے اور جسے ناپسند کرے اسے دھتکارنے میں ذرا بھی تامل نہیں کرتی۔ جن حضرات کے ساتھ وابستہ رہی ان سب کے مخصوص مزاج سے آشنا رہی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ نواب ضیاء الدین احمد خان اور ولیم فریزر کو ٹکا سا جواب دے کر یہ ثابت کر دیتی ہے کہ وہ زن بازاری نہیں ہے۔ نواب شمس الدین احمد خان کی پھانسی کے بعد اس اس کے تجربات میں مزید پختگی آجاتی ہے۔ اس کا ضدی پن ختم ہو

جاتا ہے۔ اب وہ پھونک پھونک کر قدم رکھتی ہے۔ عورت ذات اسے مظلوم نظر آتی ہے۔ عورت پر مرد کی برتری اسے شاق گزرتی ہے۔ اس حوالے سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"زندگی اسے بار بار فریب دیتی ہے اور پھر وہ مستعد ہو کر زندگی سے مقابلے کے لیے تیار ہو جاتی ہے۔ شہر دلی کی طرح اس کا دل بار بار لٹا اور بستا ہے۔(۹)"

اس حوالے سے ناول سے بھی ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"نوکر چاکر، بازاری پھیری والے بہشتی سقے، پھول والے، گاڑی بان، بیوپاری حتیٰ کہ ماں باپ کو وہ انگلیوں پر نچاتی تھی۔ اُس نے جو چاہا لے لیا۔ جس سے جو چاہا منوا لیا۔ روٹھتی تو اس طرح کہ دیکھنے والوں کے کلیجے ٹکڑے ہوتے تھے کہ ہائے اس پھول نازک جان پر کس نے ستم کیے۔ منتی تھی تو یوں کھلکھلاتی تھی گویا بلبل شاخسار شیراز میں برگ گل در منقار زمزمہ کناں ہے۔ کپڑے جو پہنا دیجیے اس پر جچتے تھے گویا اختلاط ازل نے ساری قبائیں اس کے لیے قطع کی بھی تھیں۔(۱۰)"

الغرض یہ کردار جادوئی قسم کا ہے۔ اس کا کردار بچپن سے لے کر جوانی، ادھیڑ عمری اور پھر بڑھاپے میں جیسا نکھرا، وہ حیران کن ہے۔ اسی طرح چھوٹی بیگم نے مرزا داغ دہلوی کی پرورش و پرداخت میں بھی اپنا اہم کردار ادا کیا تھا۔ چھوٹی بیگم خود شعر کہتی تھی اور شاہ بصیر دہلوی کی شاگردہ تھی اور یہی تربیت مرزا داغ کے ہاں بھی نظر آتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ احمد مشتاق، کلیات (مجموعہ کلام)، ص234

۲۔ شمس الرحمٰن فاروقی، کئی چاند تھے سرِ آسمان، ایجوکیشنل پبلشرز، دہلی، ۲۰۱۵ء، ص ۸۵۰

۳۔ شمس الرحمٰن فاروقی، کئی چاند تھے سرِ آسمان، شہرزاد کراچی، ص ۵۶

۴۔ ایضاً، ص ۵۸

۵۔ ایضاً، ص ۱۱

۶۔ ایضاً

۷۔ ایضاً، ص ۲۰۰

۸۔ ایضاً، ص ۲۲۱

۹۔ معید رشیدی، کئی چاند تھے سرِ آسمان، تنقیدی و تجزیاتی مطالعہ، مدنی کتب خانہ، لاہور، س ن، ص ۲۳

۱۰۔ شمس الرحمٰن فاروقی، کئی چاند تھے سرِ آسمان، ص ۱۶۷